ماہنامہ **شانِ ہند** دہلی

ایڈیٹر - سرور تونسوی

قیمت سالانہ پانچ روپیہ

جلد ۲۰	جون ۱۹۶۰ء	شمارہ ۶

رنگ و نغمہ

محترمہ روحی دہلوی

کبھی سکون کبھی اضطرار ہوتا ہے
عجیب سلسلۂ انتظار ہوتا ہے

مزے وصال کے رہ رہ کے یاد آتے ہیں
غمِ فراق بھی کیا خوشگوار ہوتا ہے

کبھی کبھی اُسے ہم یاد آہی جاتے ہیں
کبھی کبھی وہ بہت بے قرار ہوتا ہے

جہاں جہاں ترے امیدوار جاتے ہیں
ترا جمال وہیں آشکار ہوتا ہے

غمِ حیات سے پالا نہیں پڑا جن کو
اُنہی کو درد ترا ناگوار ہوتا ہے

فراقِ یار میں ایسے بھی دور آتے ہیں
کہ ذکرِ یار طبیعت پہ بار ہوتا ہے

نگاہِ یار کی گردش پہ ہم کو اے رُوحی
گمانِ گردشِ لیل و نہار ہوتا ہے

دویا پرکاش سرور تونسوی ایڈیٹر پرنٹر، پبلشر نے نیری آرٹ پریس دریا گنج دہلی سے چھپوایا اور ۱۲ آزاد ہند
جامع مسجد - اردو بازار دہلی سے شائع کیا

مولانا آزادؒ کی گھریلو زندگی

محمد اجمل خاں

معلوم نہیں کیوں اس حقیقی صبح کو لوگوں نے صبح کاذب کا نام دے رکھا ہے جس کے متعلق کائنات کا ذرہ ذرہ شاہد ہے کہ اس وقت سے بہتر کوئی وقت نہیں ہوتا۔ قدرت کی بوقلمونیوں کی سچی تصویر اگر نظر آسکتی ہے سکون و راحت، تازگی و شگفتگی کا اگر کوئی نقشہ بن سکتا ہے تو اس کا یہی وقت ہوتا ہے۔ ٹھیک اس وقت گرمی ہو یا جاڑا، بہار ہو یا خزاں مولانا خواب سے بیدار ہو کر خود اپنے ہاتھ سے سادہ چائے بناتے تھے اور چند سگرٹ پینے کے بعد خوشنما فنجان میں سبز رنگ کی چائے پینے لگتے تھے۔ سفر ہو یا حضر، ملازم کا قاعدہ تھا کہ شب کے کھانے کے بعد چائے کا سامان مع سپرٹ کے چولھے کے (سفر میں) یا بجلی کے ہیٹر کو (حضر میں) قرینہ سے رکھ دیتا۔ مولانا کو یہ پسند نہیں تھا۔ کہ ملازم یا کسی دوست کو "صبح کاذب" کی چائے کے لئے تکلیف دیں۔ البتہ آخری چند برسوں میں جسمانی ضعف کی مجبوری سے" ملازموں کے سپرد یہ خدمت کرادی تھی۔

یہ وقت مولانا کے پاکیزہ افکار کے ابلنے کا وقت ہوتا تھا۔ جن لوگوں کو اس وقت ان کی ہمنشینی کا موقع ملا ہے وہ جانتے ہیں کہ چائے کے فنجان کے ہلکے گلابی رنگ اور مصری سگرٹ کے پرپیچ و خم دار دھوئیں سے عارض محبوب یاد آنے لگتے تھے۔ یا اس کے ساتھ ساتھ کسی کے "جعد شکیں" بھی۔ یا اس چائے سے نطق و کلام کے دریا رواں ہوجاتے تھے۔ اور "رکھ دے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے" والا اثر پیدا ہوجاتا تھا۔

اگر کوئی ہمنشین ہوتا تھا تو تین فنجانیں ضرور پلاتے تھے۔ اتنے میں اتنے میں اخبارات پہنچ جاتے تھے۔ اور غسل سے فارغ ہونے کے بعد بھی ان کا مطالعہ جاری رہتا تھا۔ آٹھ نو بجے کے درمیان خطوط کے جواب دیئے جاتے۔ آٹھ بجے کے قریب وہ نیم برشت انڈے اور ایک دو ٹوسٹ کھا کر اور دودھ والی کالی چائے پی کر پھر کام میں لگ جاتے تھے۔

وزارت میں آنے سے پہلے گیارہ ساڑھے گیارہ بجے بہت سادہ کھانا کھا لیا کرتے۔ اگر کلکتہ سے باہر قیام ہوتا تھا۔ مثلاً" وردھا میں ورکنگ کمیٹی کے سلسلے میں یا کانگریس کے سالانہ سیشن میں' تو دوپہر کے کھانے کے اوقات میں میزبان کی آسانی کا خیال رکھتے تھے۔ اور اگر دیر ہونے لگتی تھی۔ تو صرف چائے اور نمکین بسکٹ کھا لیتے تھے۔ اور کھانا نہیں کھاتے تھے۔

ملاقاتوں کے لئے گھر پر دفتر جانے سے پہلے بھی وقت نکال لیتے تھے اور دفتر میں بھی۔ ٹھیک دس بج کر بیس منٹ پر دفتر کے لئے روانہ ہو جاتے تھے۔ اور وہاں دفتری یا پارلیمنٹری کام کرتے رہتے تھے۔ ساڑھے بارہ بجے کے قریب گھر پہنچتے تھے۔ اور چند منٹ کے بعد کھانا کھا لیتے۔ عموماً دوپہر کے کھانے میں مچھلی کے دو ٹکڑے تلے ہوئے خشکہ، قورمہ، دال ترکاری ہوتی تھی۔ روٹی نہیں کھاتے تھے۔ البتہ رات کے کھانے میں روٹی اور چوزہ کا سالن بھی کھاتے تھے۔

سہ پہر کی چائے کے ساتھ بھرے ہوئے سموسے ضرور کھاتے تھے۔ اور رات کو ۹ بجے کھانا کھا لیتے تھے۔ اور دس بجے تک سو جاتے تھے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد ضرور قیلولہ کرتے تھے۔ کھانے کے معاملے میں بھی وہ اعتدال پسند تھے۔

ایک مرتبہ وردھا میں ورکنگ کمیٹی تھی۔ سب کا کھانا سیٹھ جمنالال بجاج (بزاز) کی بیوی سے متعلق تھا۔ سیٹھ صاحب گائے کے بڑے محافظ تھے۔ ان کا خیال تھا کہ گائے کشی کو روکنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ لوگ صرف گائے کا گھی کھائیں۔ بہتا ان کے یہاں خالص گائے کا گھی ملتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ سودیشی کے اتنے

حائل تھے کہ گرم کھانا زیادہ پسند کرتے تھے۔ اور موٹی قسموں کی روٹیاں مثلاً جوار اور باجرہ وغیرہ بھی دسترخوان پر ہوتا تھا۔ مرہٹوں کی مرغوب غذا یعنی نمکین چبوترے بھی ناشتہ میں ہوتے تھے۔ ان میں سے کسی چیز کو مولانا ناپسند نہیں کرتے تھے۔ البتہ ایک دن مجھ سے کہنے لگے۔ کہ دیکھا جواہر لال کس مزے سے گڑ کھا رہے ہیں۔ مولانا کو گڑ پسند نہیں تھا۔ میں نے کہا کہ مولانا، پنڈت جی نے ولایت میں تعلیم پائی ہے۔ اور جو مزہ چاکلیٹ میں ہوتا ہے۔ وہی گڑ میں ہوتا ہے۔ اس پر وہ ہنسنے لگے۔

مولانا کی یہ بھی عادت تھی کہ دعوت قبول نہ کرتے تھے۔ اور اگر بہت ہی اہم سیاسی وجوہ ہوئے تو وہ رات کے کھانے میں تو کبھی شریک ہی نہ ہوتے تھے۔ البتہ لنچ منظور کر لیتے تھے اور کھانے میں حسب دستور نہایت احتیاط برتتے تھے۔

اپنے گھر پر ہوں یا باہر کھانے کی میز پر وہ گل افشانی کرتے تھے کہ جی چاہتا تھا کہ صبح سے شام تک کھاتے جاؤ۔ اور ان کی شیریں گفتار اور نمکین ادا سے ذائقہ سماعت حاصل کرتے رہو کہیں یہ ذکر آ جاتا تھا کہ ہندوستان کے کھانوں میں ابن بطوطہ کو کشری (یعنی کھچڑی) اور پاپڑ بہت پسند تھے۔ میں نے کہا کہ ابن بطوطہ ہی کو نہیں بلکہ انگریزوں کو بھی پاپڑ بیحد پسند تھے۔ اور جب انھوں نے پہلے پہل کاغذ دیکھا تو اسے پاپر کہنے لگے۔ یعنی یہ وہی چیز ہے۔ جو ہندوستان میں کھائی تھی۔ کبھی شکر کا ذکر آتا تو فرماتے کہ عجیب بات ہے کہ ہندوستان میں نیشکر کا پودا غالباً مصر یا چین سے آیا ہے۔ ورنہ کیوں مصری اور چینی کے نام یہاں رائج ہوئے۔

وہ سبز مرچ کی بہت تعریف کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ حکیم صاحب (یعنی حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم) کا قول ہے کہ جو شخص سبز مرچیں کھاتا ہے۔ اسے کبھی نہ تو معدہ کی شکایت ہوتی ہے نہ بخشش قریب آتی ہے۔

جب سے الہ آباد کے اسٹیشن پر مولانا ایک نارنگی کے چھلکے پر پھسلے اور ان کے گھٹنے کی ہڈی ٹوٹی۔ وہ ہمیشہ میز پر بیٹھ کر کھانا کھایا کرتے تھے۔ وردھا میں سب فرش پر بیٹھتے تھے۔ لیکن مولانا کے لئے ایک میز کرسی کا انتظام کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ زیادہ پسند کرتے تھے۔ کہ چھری کانٹے سے کھانا کھائیں۔

مولانا کی یہ عادت تھی کہ جب علماء سے ملاقات کرتے تھے۔ تو ٹوپی پہن لیتے تھے۔ لیکن تنہائی میں یا غیر علماء کے سامنے ننگے سر رہنے لگے تھے۔ ۱۹۲۳ء کے بعد سے ۱۹۵۸ء تک یہ عادت تھی کہ ورکنگ کمیٹی اور عام کھانے میں بھی ٹوپی پہنے رہتے تھے جسے وہ ٹوپی اور رومنا کہتے تھے۔

ایک دفعہ وردھا میں جواہر لال جی نے کہا کہ مولانا اتنی گرمی ہے۔ یہ ٹوپی بہت گرم ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ محض وضع کی پابندی ہے۔

مولانا کی زندگی کے دو جزلائے لاینفک تھے۔ ایک سگرٹ، دوسرے کتاب۔ انھوں نے سگرٹ پینے کی اتنی کثرت کر دی تھی۔ کہ ایک کے بعد ایک سگریٹ پیتے ہی رہتے تھے۔ اگر کچھ لکھنا بھی ہوتا تھا تو سگرٹ کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں تھامے رہتے تھے۔ حتی کہ انگلیاں دھوئیں کے اثر سے رنگین ہو گئی تھیں۔

ان کی گھریلو زندگی میں بیگم صاحبہ کی وفات نے ایک خلا پیدا کر دیا تھا۔ جس کا پر ہونا محال تھا۔ ان کی وفات کے بعد سے وہ صرف اپنے دماغ کے بھروسے پر زندہ تھے۔ اگر ہنستے بھی تھے۔ تو اوپری دل سے۔ اور خاموش رہتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ گہری فکر میں ہیں۔ جس میں غم ملا ہوا ہے۔ تقسیم ہند اور خود کشی حیدرآباد کے بعد تو وہ بالکل بجھ گئے تھے۔

کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ اہل بزم
ہو غم ہی جانگداز تو غمخوار کیا کریں

(اقتباس "اردو ادب" علی گڑھ)

"مخزن حکمت"
از
ڈاکٹر غلام جیلانی آف لاہور
مکمل ہر دو حصص قیمت چھتیس روپے ۳۶ علاوہ محصولڈاک
پتہ:- مکتبہ شان ہند دہلی ۶

سفینۂ غزل

نظیر محسن

فضائے لالہ و گُل میں وہ تازگی نہ رہی
وہ کیا گئے کہ بہاروں میں دل کشی نہ رہی

قدم قدم پہ ہیں چھائے ہوئے اندھیرے سے
لہو کے دیپ جلاؤ کہ روشنی نہ رہی

مزاجِ عشق نے آداب حُسن اپنائے
دیارِ عشق میں وہ رسمِ بندگی نہ رہی

مرے خلوص و وفا سے عبث شکایت ہے
نگاہ ناز میں بھی شانِ دل بری نہ رہی

چمک اٹھا ہے تیری یاد میں حریمِ خیال
شبِ فراق فضاؤں میں تیرگی نہ رہی

تری نگاہِ کرم زندگی سنوار گئی
جہانِ دل میں وہ پہلی سی برہمی نہ رہی

چلو کہ حلقۂ دار و رسن کی بات کریں
فسانۂ گُل و بلبل میں دل کشی نہ رہی

منظر ایوبی

نہ ہو دوام تو لطفِ بہار کچھ بھی نہیں
گل و سمن، روش و شاخسار کچھ بھی نہیں

نہ مسکرا مرے حالِ تباہ پر اے دوست
خزاں نہ ہو تو جمالِ بہار کچھ بھی نہیں

تمہیں نے میری نظر کو بدل دیا ورنہ
حقیقتاً تو مجھے ناگوار کچھ بھی نہیں

جمالِ دوست کی نیرنگیوں سے واقف ہوں
مری نگاہ میں فصلِ بہار کچھ بھی نہیں

کسی کی جیب میں کانٹے کسی کے ہاتھ میں پھول
خطا معاف، یہ نظمِ بہار کچھ بھی نہیں

فریبِ موت کی قیمت تو میں سمجھتا ہوں
کہ زندگی کا مجھے اعتبار کچھ بھی نہیں

وہ بدنصیب کوئی اور ہوگا اے منظر
جہانِ عشق میں جس کا وقار کچھ بھی نہیں